تنظیمِ اسلامی کا پیغام

نظامِ خلافت کا قیام

# مطالعۂ قرآنِ حکیم کا

## منتخب نصاب نمبر 2

### درس - 2

# اقامتِ دین کی فرضیت
# اور
# اِس کے لئے زوردار دعوت

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب (۲)

# درس ۲

# اقامت دین کی فرضیت

## اور

## اس کے لیے زوردار دعوت

انجینئر نوید احمد☆

## سورۃ الشوریٰ: آیات ۱۳۔۱۵ اور ۴۷، ۴۸

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا
وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ؕ کَبُرَ
عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْہُمْ اِلَیْہِ ؕ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَہْدِیْٓ
اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَہُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَہُمْ ؕ وَلَوْ
لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَہُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ
اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِہِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ
وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَہْوَآءَہُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ
کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ
اَعْمَالُکُمْ ؕ لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْہِ
الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾﴾

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

﴿اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ
مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ
حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَۃً فَرِحَ بِہَا ۚ
وَاِنْ تُصِبْہُمْ سَیِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾﴾

### ☆ تمہیدی نکات:

(۱) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ دوم سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ اور آیات ۴۷، ۴۸ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

(۲) منتخب نصاب نمبر۲ کے درسِ اوّل میں ہم نے فرائضِ دینی کے جامع تصور کو سمجھا۔ اِس تصور کے مطابق دینی فرائض تین ہیں۔ پہلا یہ کہ ذاتی زندگی میں اللہ کی مکمل بندگی کی جائے، دوسرا یہ کہ لوگوں کو اللہ کی مکمل بندگی کی دعوت دی جائے اور تیسرا یہ کہ اجتماعی زندگی میں اللہ کے عطا کردہ نظام کو نافذ کرنے یعنی اقامتِ دین کی کوشش کی جائے۔ تبلیغی جماعت کی محنت سے دعوت وتبلیغ کی فرضیت تو بڑے پیمانے پر لوگوں پر واضح ہوئی ہے لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت ہماری اکثریت پر واضح نہیں اور اِس حوالے سے کوئی زوردار تحریک فعال ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ پاکستان میں جو جماعتیں اقامتِ دین کی جدوجہد کا مقصد لے کر اُٹھی تھیں، طویل آمرانہ حکومتوں کی وجہ سے اُن کی بھی اولین ترجیح جمہوریت کی بحالی محسوس ہوتی ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت کو اچھی طرح سے واضح کیا جائے۔ اِن شاءاللہ اِس درس میں قرآن حکیم میں اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت اور اس کے لیے زوردار دعوت کا مضمون ہمارے سامنے آئے گا۔

(۳) اِس درس میں شامل دونوں مقامات سورۃ الشوریٰ سے لیے گئے ہیں۔ مکی سورتوں میں سورۃ الشوریٰ کا وہی مقام ہے جو مدنی سورتوں میں سورۃ الحدید کا ہے۔ دینی ذمہ داریوں کے بیان کے اعتبار سے سورۃ الحدید پورے قرآنِ مجید کی جامع ترین سورۃ ہے۔ منتخب نصاب نمبر۱ کا حصّہ ششم اِس سورۂ مبارکہ کے تفصیلی درس پر مشتمل ہے۔ سورۃ الشوریٰ اور سورۃ الحدید میں بڑی عجیب مماثلت ہے:

(i) سورۃ الشوریٰ حجم کے اعتبار سے سورۃ الحدید سے دوگنی ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ۵۳

آیات ہیں جبکہ سورۃ الحدید میں ۲۹۔ سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے بحث کرتی ہیں۔ اِسی طرح (دو گنے حجم کے پہلو سے) سورۃ الشوریٰ کی ابتدائی بارہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور صفاتِ عالیہ کا بیان آیا ہے۔

(ii) سورۃ الحدید میں چھ آیات کے بعد ساتویں آیت میں تقاضا سامنے آتا ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے وہ سب کچھ لگا دو جو تمہارے بس میں ہے:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ﴾

''ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر اور (اُس کی راہ میں) کھپا دو وہ سب کچھ جس پر تمہیں عارضی اختیار عطا کیا گیا ہے''۔

جبکہ سورۃ الشوریٰ میں بارہویں آیت کے بعد تیرہویں آیت اِس تقاضے کو یوں بیان کر رہی ہے کہ:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾

''قائم کرو دین کو اور اِس معاملہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ!''

(iii) میزان کا لفظ کتاب کے ساتھ جڑ کر قرآنِ مجید میں صرف اِن ہی دو سورتوں میں آیا ہے۔ سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں فرمایا گیا:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾

''بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوںؑ کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو (یعنی نظامِ عدل) تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں''۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۷ میں ارشاد ہوا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ﴾

''اللہ ہی ہے جس نے نازل فرمائیں برحق کتابیں اور ترازو (یعنی نظامِ عدل)''۔

## آیات پر غور وفکر

### ☆ آیت ۱۳:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ ''راستہ مقرر کیا اللہ نے تمہارے لیے اِس دین میں سے''...... ﴿مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ ''جس کی وصیت فرمائی تھی اُس نے نوحؑ کو''...... ﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ ''اور (اے نبیؐ) جو وحی کیا ہم نے آپؐ کی طرف''...... ﴿وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ ''اور جس کی ہم نے وصیت کی تھی ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو''...... ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ ''کہ قائم کرو دین کو اور اِس معاملہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ''...... ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ﴾ ''بہت ناگوار ہے مشرکوں پر وہ کام کہ جس کی طرف آپؐ اُنہیں بلا رہے ہیں''...... ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اللہ چن کر کھینچ لے گا اپنی جانب اُسے جسے وہ چاہے گا''...... ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ ''اور ہدایت دے گا اپنی طرف اُسے جو اُس کی طرف رجوع کرے گا''۔

◆ آیۂ مبارکہ کے اِس حصہ میں واضح کیا گیا کہ دین کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ پر وہی ذمہ داری ڈالی گئی ہے جو اِس سے قبل جلیل القدر رسولوں یعنی حضرت محمد ﷺ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر ڈالی گئی تھی، یعنی دین کو قائم کرو۔ یہ آیت امتِ مسلمہ کی اہمیت پر دلیل ہے کہ یہ اُمت دینی ذمہ داری کے حوالے سے اب اُسی منصب پر ہے جس پر پہلے اللہ کے عظیم رسول فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

◆ ''دین'' کا لفظ تعلیماتِ اسلامی میں بڑا اہم ہے اور اِس کے صحیح فہم پر ہی قرآنِ حکیم کی دعوت کا درست مطلب سمجھنا منحصر ہے۔ لفظ ''دین'' کا بنیادی مفہوم ہے بدلہ، یعنی جزا و سزا۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ترجمہ ہے بدلے کے دن کا مالک۔ اِسی جزا وسزا کے بنیادی تصور سے عربی زبان میں لفظ ''دین'' کے مفہوم میں انتہائی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جزا وسزا کسی ضابطہ اور قانون کے تحت ہی ہوتی ہے۔ اِسی لیے سورۂ یوسف کی آیت ۷۶ میں دین کا لفظ قانون کے معنی میں آیا ہے:

﴿مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ﴾

''اُن (یعنی یوسفؑ) کے لیے ممکن نہ تھا اپنے بھائی کو روکنا (مصر میں) بادشاہ کے قانون کے مطابق''۔

قانون اور ضابطہ تشکیل پاتا ہے نظام کے تحت۔ اِسی لیے لفظ دین قرآنِ حکیم میں نظام کے معنی میں بھی آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال:۳۹)

''اور اُن سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور مکمل طور پر نظام اللہ ہی کا ہوجائے''۔

سورۃ المؤمن کی آیت ۲۶ میں فرعون کا اپنی قوم سے خطاب کے دوران قول نقل ہوا :

﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ﴾

''مجھے ڈر ہے کہ وہ (یعنی موسیٰؑ ) بدل دے گا تمہارے نظام کو''۔

جس نظام میں اللہ کے عطا کردہ قوانین کی اطاعت ہو وہ ''دین اللہ'' ہے۔جس نظام میں عوام کے نمائندوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ ہوں وہ دینِ جمہور ہے' اور جس نظام میں بادشاہ کو بڑا مان کر اُس کے فرامین کی اطاعت کی جائے وہ **دِیْنُ المَلِک** ہے۔آیت زیرِ مطالعہ میں دین سے مراد ''دین اللہ'' ہے۔''دین اللہ'' یہ ہے کہ صرف اللہ کو بڑا اور حاکم تسلیم کر کے اسی کی جزا کی اُمید رکھتے ہوئے اور اسی کی سزا سے خوف کھاتے ہوئے' صرف اُسی کی عطا کردہ شریعت کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات کو سرانجام دیا جائے۔ بالفاظِ دیگر اپنی پوری زندگی میں صرف اور صرف اُسی کی کامل اطاعت کو لازم کر لیا جائے۔ اِسی رویہ اور طرزِ عمل کا نام ہے ''اقامتِ دین'' یعنی اللہ کے دین کے تحت زندگی گزارنا ۔

◆ اِس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ تمام جلیل القدر رسولوں کا مشن تھا اقامتِ دین۔یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنا۔ دنیا میں بھلائی کے کام کئی نوعیت کے ہوسکتے ہیں' مثلاً خدمتِ خلق' اصلاحِ معاشرہ' اصلاحِ رسومات' اصلاحِ عقائد' تعلیمی و تدریسی خدمت اور تزکیۂ نفس کا کام۔ بلاشبہ اللہ کے رسولوں نے مذکورہ بالا خیر کے کام بھی کیے لیکن اُن کا اصل مشن تھا دنیا میں اقامتِ دین کے ذریعہ عدل کا قیام۔ گویا عدل کا قیام ہی دنیا میں کسی انسان کے لیے اعلیٰ ترین مشن ہوسکتا ہے۔

◆ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کے دو ترجمے ممکن ہیں: ''دین کو قائم کرو'' یا ''دین کو قائم رکھو''۔ اِن دونوں ترجموں سے نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اگر دین قائم نہیں ہے تو اِسے قائم کرو اور اگر پہلے سے قائم ہے تو اِس کی حفاظت کرو تا کہ یہ قائم رہے۔

◆ آیت کے اِس حصہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کا دین ایک ہی تھا۔ مناسب ہوگا کہ یہاں دین اور شریعت کے فرق کو سمجھ لیا جائے۔ جدید اصطلاحات کے اعتبار سے جو فرق کسی ملک کے آئین (یا دستور) اور قانون میں ہوتا ہے وہی فرق دین اور شریعت کے درمیان ہے۔دستور چند بنیادی اصولوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو اکثر و بیشتر مستقل رہتے ہیں۔ اِن اصولوں کی روشنی میں قانون بنایا جاتا ہے اور قانون میں ترامیم بھی کی جاتی ہیں۔تمام رسولوں کا دین ایک ہی تھا' یعنی ''دینِ توحید'' جس میں یہ اصول طے تھا کہ معبود صرف اور صرف اللہ ہے' حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی ہے اور اُس کی بندگی ہر صورت میں لازم ہے:

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ﴾ (یوسف: ۴۰)

''(سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اُس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے''۔

البتہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسولؑ کو اُن کے دَور کے تمدنی ارتقاء اور حالات کے مطابق جدا جدا شریعت عطا فرمائی اور اُن کی قوم کو اُس پر عمل کرنے کا حکم دیا:

﴿ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا ؕ﴾ (المائدۃ:۴۸)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کیا''۔

اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کی شریعت میں فرق رکھا۔حضرت موسیٰؑ کی شریعت اور ہے جبکہ شریعت محمدی ﷺ اور۔ دونوں شریعتوں میں نظامِ صلوٰۃ یکسر مختلف ہے۔ شریعتِ موسویؑ میں نماز پر زور کم ہے جبکہ شریعت محمدی ﷺ میں نماز کو عماد الدین یعنی اصل رکن دین قرار دیا گیا ہے۔ دونوں شریعتوں میں روزے کے احکام میں بڑا فرق ہے۔ شریعتِ موسویؑ میں سبت یعنی ہفتہ کا دن محترم تھا اور اِس روز پورے ۲۴ گھنٹے تمام کاروبارِ دُنیوی حرام تھا۔ جبکہ شریعت محمدی ﷺ میں جمعہ کا دن محترم ہے اور اِس روز صرف اذانِ جمعہ سے لے کر جمعہ کی نماز کی ادائیگی تک ہر طرح کا کاروبارِ دُنیوی حرام ہے۔

◆ اِس آیت سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اقامتِ دین کی جدوجہد امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر فرض ہے۔ البتہ شیطان ہمیں اِس ذمہ داری سے غافل کرنے کے لیے طرح طرح کے جواز سجھاتا ہے۔ بعض اوقات یہ بات سننے کو ملتی ہے کہ فلاں بزرگ بہت بڑے مفتی اور عالمِ دین ہیں لیکن وہ تو اقامتِ دین کی جدوجہد کے حوالے سے نہ خود کسی جماعت میں شامل ہیں اور نہ ہی لوگوں کو متحرک کرتے ہیں' وہ تو صرف درس و تدریس کی سرگرمیوں میں ہی مشغول رہتے ہیں۔

نوٹ کیجیے کہ ہمارے لیے نمونہ نبی اکرم ﷺ اور اُن کے جان نثار ساتھی ہیں۔کیا اُن کی سرگرمیاں درس وتدریس اور تربیت وتزکیہ تک محدود تھیں یا اُنہوں نے اِس سے آگے بڑھ کر گلی کوچوں میں جا کر تبلیغ بھی کی اور اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے دل' زبان' ہاتھ اور مال سے جہاد بھی کیا؟ اُن کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے :

﴿لٰـكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ (التوبة)

’’لیکن رسولؐ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں' اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں۔اور وہی ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔

ایک دوسرا عذر یہ تراشا جاتا ہے کہ اکثریت اِس فریضہ سے غافل ہے۔ہماری محنت سے کیا نتیجہ نکلے گا؟ تنظیم میں شامل بعض ساتھی بھی فعال طریقہ سے غلبۂ دین کی جدوجہد میں مال و جان نہیں لگا رہے۔اِس میں تو کوئی شک نہیں کہ غیر فعال ساتھی دوسروں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور اُن کی حوصلہ شکنی کرنے کے مجرم ہوتے ہیں' لیکن ہم کسی اور کی کوتاہی یا گمراہی کو اپنی بے عملی کے لیے جواز نہیں بنا سکتے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾

(المائدة)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر تو ذمہ داری ہے تمہاری اپنی جانوں کی' اور تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا کوئی جو کہ بھٹک گیا اگر تم خود ہدایت پر ہو۔اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو''۔

روزِ قیامت ہمارا محاسبہ انفرادی طور پر ہونا ہے۔ہر فرد سے اللہ یہ پوچھے گا کہ تم نے کیا کیا؟ اگر کوئی دوسرا گمراہ ہے تو خود اپنے عمل کا جواب دے گا لیکن اُس کی گمراہی ہمارے لیے کسی رعایت کا ذریعہ نہیں بنے گی۔

◆ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ کا ترجمہ ہے ''اور اِس میں جدا جدا نہ ہو''۔''فیہ'' میں ''ہ'' کی ضمیر کے اعتبار سے دو مفہوم ممکن ہیں :

(i) اگر ''ہ'' سے مراد لیا جائے اقامتِ دین تو مفہوم ہوگا کہ دین کے قائم کرنے میں متفرق نہ ہو۔دین کے ضمن میں تم سب پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ اِسے قائم کرو' اِس فرض کی ادائیگی میں متفرق نہ ہو! حنفی' مالکی' حنبلی' شافعی اور اہل حدیث کا اختلاف اپنی جگہ رہے لیکن اقامتِ دین کی جدوجہد میں آ کر سب جڑ جائیں۔دین کا قائم کرنا تم سب کا مشترکہ مشن ہونا چاہیے۔

(ii) اگر ''ہ'' سے مراد لیا جائے صرف دین تو اب مفہوم ہوگا دین میں تفرقہ نہ ڈالو۔دین کے اندر تفرقہ یہ ہے کہ دین کے حصے بخرے کر دینا' دین کی کچھ باتوں کو قبول کرنا اور کچھ سے پہلوتہی کرنا۔قرآنِ حکیم نے اِس طرح سے دین کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ (الروم:۳۱،۳۲)

’’اور نہ ہو جاؤ شرک کرنے والوں میں سے' وہ کہ جنہوں نے دین کے حصے بخرے کر دیے اور وہ ہو گئے گروہ گروہ۔ہر گروہ کے پاس جو (دین کا حصہ) ہے اُس پر وہ خوش ہو رہا ہے''۔

دین میں تفرقہ ڈالنے والے اِس لیے مشرک ہیں کہ وہ اللہ کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک کر دیتے ہیں۔اللہ کو حاکم مطلق مان کر ہر معاملہ میں اُس کے احکام کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔کچھ امور میں اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور کچھ امور میں نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

دورِ حاضر میں دین میں تفرقہ ڈالنے کی نمایاں ترین مثال سیکولرزم ہے۔سیکولرزم کے تحت طے کر لیا جاتا ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت صرف انفرادی زندگی میں ہوگی۔اجتماعی زندگی میں عوام کے نمائندوں کا اختیار ہے کہ وہ کثرتِ رائے کی بنیاد پر جو چاہیں قانون اور ضابطہ بنا دیں۔اجتماعی معاملات میں ریاست مکمل طور پر آزاد ہے' وہ اللہ کے احکام کی پابند نہیں۔یہ تاریخ انسانی میں نوعِ انسانی کی اللہ تعالیٰ سے بدترین بغاوت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو عبادت خانوں تک محدود کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ﴾

’’(اے نبی!) بھاری ہے مشرکوں پر وہ بات جس کی آپ ؐ اُنہیں دعوت دے رہے ہیں‘‘۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں آگاہ فرما دیا گیا کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کا معاملہ پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ تبلیغ کے تین اسلوب ہو سکتے ہیں :

(i) پہلا یہ کہ صرف نیکی کی تلقین کی جائے اور اِس حوالے سے اجر و ثواب کی بشارتیں دی جائیں۔ کوئی شخص صرف واعظ اور معلّمِ اخلاق بن کر کھڑا ہو اور دین کی محض وہ باتیں پیش کرے جن سے کسی کے مفاد پر زد نہ پڑتی ہو۔ یہ بے ضرر قسم کی تبلیغ ہے جس کی مخالفت نہیں بلکہ تحسین ہوتی ہے‘ پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں اور ہر محفل میں شاندار استقبال کیا جاتا ہے ۔

(ii) دوسرا اسلوب یہ ہے کہ معاشرے میں جاری برائیوں اور ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جائے‘ البتہ برائی اور ظلم کو ہاتھ سے روکنے کا کوئی ارادہ ظاہر نہ کیا جائے۔ برائی میں ملوث اور ظلم وستم کرنے والوں کو تبلیغ کا یہ اسلوب اچھا نہیں لگتا لیکن وہ اِسے اپنے لیے خطرہ بھی محسوس نہیں کرتے اور اِس وجہ سے مخالفت کی شدت بھی کم ہوتی ہے۔

(iii) تیسرا اسلوب یہ ہے کہ صرف زبان سے ہی برائی اور ظلم کی مذمت نہ کی جائے بلکہ اِس عزم کا اظہار کیا جائے کہ ہم قوت جمع کر رہے ہیں اور جیسے ہی مناسب قوت فراہم ہوئی ہم ظالمانہ نظام کو تہس نہس کر کے عادلانہ نظام قائم کریں گے۔ یہ ہے اقامتِ دین کا مشن۔ اب باطل نظام کے ساتھ جن لوگوں کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں‘ اُن کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر یہ نظام ختم ہوا تو ہمارے مفادات پر ضرب پڑے گی‘ ہماری چودھراہٹ نہیں رہے گی‘ ہمارا وقار اور احترام خاک میں مل جائے گا۔ ایسے مفاد یافتہ طبقات پر عادلانہ نظامِ اجتماعی کے قیام کی دعوت بہت بھاری ہوتی ہے۔ وہ ہر ممکن طریقہ سے اِس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نوٹ کیجیے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت تیسرے اسلوب کی تھی۔ آپ ؐ محض کوئی واعظ یا مصلح نہ تھے جو جزوی اصلاح کی دعوت لے کر اُٹھے ہوں‘ بلکہ اِس بات کے داعی تھے کہ اِس پورے نظامِ باطل کو‘ جو غیر اللہ کی اطاعت پر قائم ہے‘ بالکل نیست و نابود کریں گے اور اللہ کی اطاعت پر مبنی نظام قائم کریں گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں کو مشرکین کی طرف سے ذہنی وجسمانی ہر طرح کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

◆ سورۃ الشوریٰ مکی دَور کے وسط میں نازل ہوئی۔ اُس وقت اسلام کی دعوت کی مخالفت کرنے والے دو گروہ سامنے آ چکے تھے۔ ایک تو مشرکین مکہ جن کے سامنے براہِ راست دعوت پیش کی جا رہی تھی۔ دوسرا گروہ اہلِ کتاب کا تھا جو مدینہ میں آباد تھے اور اُن تک بالواسطہ دعوت پہنچنا شروع ہو چکی تھی۔ اِس آیت میں پہلے گروہ کی مخالفت کا ذکر ہے جب کہ اگلی آیت میں دوسرے گروہ کی دشمنی کا۔

◆ مشرکینِ مکہ کو دشمنی نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے نہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے وحی کے آغاز سے قبل کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی غیر اللہ کو پکارا۔ اِس کے باوجود آپ ﷺ کو مکہ والے الصادق اور الامین کہتے تھے۔ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھواتے تھے اور اپنے باہمی جھگڑوں کے فیصلے آپ ﷺ سے کراتے تھے۔ اِس کا ثبوت حجرِ اَسود کی تنصیب کا مشہور واقعہ ہے۔ جوں ہی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب حرم میں سب سے پہلے داخل ہوئے تو سب خوش ہو گئے اِس بات پر کہ ہمارا فیصلہ وہ کریں گے جن سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی معاملہ فہمی‘ قوتِ فیصلہ اور دیانت داری پر اُنہیں اعتماد تھا باوجود اِس کے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

اِسی طرح مکہ والوں کو اِس پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا کہ آپ ﷺ انفرادی طور پر مکہ میں افراد کو نیک اور دیانت دار بنائیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ اُن کے غلام نیک بن کر اُن کی خدمت دیانت داری سے کریں۔

مشرکینِ مکہ کی نبی اکرم ﷺ سے دشمنی اُس وقت شروع ہوئی جب آپ ﷺ نے اُنہیں قرآن سنانا شروع کیا اور اُنہیں اللہ پر اُس کی توحید کے ساتھ ایمان لانے کی دعوت دی۔ سورۃ الانعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰـكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ۝٣٣﴾

’’پس بے شک (اے نبی ﷺ!) وہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے لیکن یہ ظالم اصل میں اللہ کی آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں‘‘۔

﴿وَاِذَا ذَكَرۡتَ رَبَّكَ فِى الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ وَلَّوۡا عَلٰۤى اَدۡبَارِهِمۡ نُفُوۡرًا ۝٤٦﴾

(بنی اسراء یل)

’’اور جب آپ (ﷺ) ذکر کرتے ہیں اپنے ربّ کا قرآن میں اُس کی توحید کے ساتھ تو وہ بھاگتے ہیں پیٹھ پھیر کر نفرت سے‘‘۔

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾﴾ (صٓ)

'' کیا اِس (محمدؐ) نے سب معبودوں کو کر دیا ہے ایک ہی معبود؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے''۔

مشرکین مکہ کے لیے قرآن کا یہ اعلان اور آپ ﷺ کی یہ دعوت بھاری ثابت ہوئی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' انسانوں کا ربّ' مالک اور حاکم کوئی انسان نہیں ہوسکتا بلکہ صرف اور صرف اللہ ہے۔ مرضی اللہ کی چلے گی' اطاعت اللہ کی ہوگی اور دین کل کا کل اللہ کے لیے ہوگا۔ مشرکینِ مکہ کے لیے اِس اعلان کا بھاری ہونا مندرجہ ذیل وجوہات سے تھا :

## (i) اللہ کی ربوبیت اور حاکمیت کا انکار:

سردارانِ قریش اللہ کو خالق تو ماننے کو تیار تھے لیکن ربّ' مالک اور حاکم مان کر اُس کی اطاعت کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ بات اُن کی انا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے پر گراں تھی۔ ہر سردار خود کو بڑا سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ میں جو چاہوں کروں۔ کسی کے احکامات کا پابند ہونا اُسے گوارا نہ تھا۔ مثلاً امیہ بن خلف حضرت بلالؓ سے کہتا تھا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ حضرت بلالؓ کہتے تھے کہ نہیں اللہ میرا رب ہے' کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا مالک نہیں۔ یہ اونچ نیچ غلط ہے کہ کوئی آقا بن کر دوسروں کو غلام بنا لے۔ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ...... آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے اور لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......آسمانوں اور زمین کا اصل بادشاہ صرف اللہ ہے۔ اب جو جھگڑا تھا وہ ربّ ہونے اور مالک ہونے کا تھا۔ قرآن نے تو اُن کے سارے کے سارے proprietary rights کی نفی کر دی اور وہ جو اپنی من مانی کر رہے تھے اُسے بھی چیلنج کر دیا۔ توحید کا یہ dynamic تصور تھا جو مشرکین کے لیے ہرگز قابلِ قبول نہ تھا۔

## (ii) آباء پرستی اور روایت پرستی:

مشرکین اِس بات کے لیے کسی بھی صورت تیار نہ تھے کہ اپنے آباء و اَجداد کے عقائد رسومات اور روایات کو چھوڑ کر اُس راستے کی پیروی کریں جو اللہ کے رسول ﷺ اُنہیں دکھا رہے تھے۔ یہ مضمون قرآنِ حکیم میں کئی بار آیا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۴ میں فرمایا گیا:

﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ﴾

'' اور جب اُن سے کہا جاتا ہے آؤ اُس کلام کی طرف جو کہ اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ کچھ کافی ہے جس پر ہم نے پایا اپنے آباء و اَجداد کو۔ اگرچہ اُن کے آباء واَجداد کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت پر ہوں''۔

## (iii) مذہبی سیادت اور مفادات:

مشرکینِ مکہ بت پرستی کی صورت میں خودساختہ معبودوں کے ذریعہ پورے عرب کا استحصال کر رہے تھے۔ بتوں کی وجہ سے قریش کو پورے عرب کی مذہبی سیادت حاصل تھی اور وہ پورے عرب سے معاشی وتجارتی فوائد سمیٹ رہے تھے۔ بتوں کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے یا جو جانور ذبح کیے جاتے اُس کا فائدہ مشرکینِ مکہ کو حاصل ہوتا تھا۔ سارا سال بتوں کی پوجا کے لیے آنے والوں کی وجہ سے کاروبار مشرکینِ مکہ کا چمکتا تھا۔ پورے عرب میں مکہ والوں کے تجارتی قافلے لوٹ مار سے اِس لیے محفوظ رہتے کہ تمام عرب قبائل کے بت مکہ میں نصب تھے اور اِن بتوں کے متولی مشرکینِ مکہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ کا ایک اللہ ہی کے معبود ہونے اور اُسی کی مرضی جاری وساری کرنے کا اعلان مشرکینِ مکہ کے اِس استحصال کے لیے کاری ضرب ثابت ہو رہا تھا' اُنہیں اپنے مفادات خطرے میں نظر آ رہے تھے' لہٰذا اُنہوں نے دہائی دی:

﴿اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ﴾ (القصص: ۵۷)

'' اگر ہم نے پیروی کی (اے محمدؐ!) آپ کے ساتھ ہدایت کی تو ہم تو زمین سے مٹا دیے جائیں گے''۔

مشرکین کی مذہبی چودھراہٹ اور بت پرستی کے ذریعہ حاصل ہونے والی مراعات اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں۔ وہ حق کو قبول کرنے کے بجائے اِس کے بدترین دشمن بن گئے۔

◆ مکی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق یہاں پر خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ سے ہے' لیکن درحقیقت ہر دور کے مسلمان اِس کے مخاطب ہیں جو اِس دعوت کے داعی بن کر کھڑے ہو جائیں۔ یہاں یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ ہر دور میں مشرکین عادلانہ نظام کے قیام کو اپنے مفادات کے لیے خطرہ سمجھیں گے اور اِس کی بھرپور مخالفت کریں گے۔ ذہنی طور پر مشرکین کی طرف سے ہر طرح کے مخالفانہ ردّعمل کے لیے تیار رہا جائے۔

◆ ہر دور میں شرک کے دو نظام موجود رہے ہیں۔ ایک سیاسی شرک اور دوسرا مذہبی شرک۔

(i) سیاسی شرک کی ایک صورت تو یہ رہی ہے کہ کوئی انسان خود خدائی کا دعوے دار بن بیٹھے کہ مرضی میری چلے گی' میں نہیں جانتا کہ خدا کا کیا حکم ہے اور رسول کیا کہتا ہے؟ اقتدار کا مالک میں ہوں' لہٰذا حکم صرف میرا چلے گا! اِس سیاسی شرک کا نام ملوکیت اور آمریت ہے۔ اِس کی بدترین مثال فرعون اور نمرود نے قائم کی۔ سیاسی شرک کی دوسری صورت' جو موجودہ دور میں بہت عام ہے' یہ ہے کہ کسی ملک کے عوام اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا انکار کر دیں۔ وہ کہیں کہ اللہ اور رسول کو ماننا ایک انفرادی معاملہ ہے۔ جو اِنہیں مانتے ہیں وہ مسجدوں' مندروں اور کلیساؤں میں اُن کی اطاعت کر لیں' ملک کا قانون تو عوام کی اکثریت کی مرضی کے مطابق بننا چاہیے۔ اِس کا نام ہے جمہوریت اور یہ بھی ایک بدترین سیاسی شرک ہے۔ سیاسی شرک کی تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی ایک قوم دوسری قوم کو محکوم بنا لے کہ ہم تمہارے آقا ہیں' لہٰذا مرضی ہماری چلے گی۔ جیسے انگریز قوم نے ہمیں اپنا محکوم بنا لیا اور ہمیں بس اِس قدر مذہبی آزادی دی کہ ہم نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی اپنے دین کے مطابق کر لیں۔ ملکی قانون (Law of the land) اُن کا تھا۔ مرضی اور پسند تاجِ برطانیہ کی چلتی تھی اور وائسرائے ہند اِس کا نمائندہ تھا۔ یہ سیاسی شرک کی تیسری صورت ہے۔ چنانچہ سیاسی طور پر کوئی آمر' کوئی بادشاہ یا کوئی قوم حاکمیت کے مقام پر فائز ہو جائے اور ملک کے تمام معاشی ذرائع و وسائل اور تمام قومی دولت کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق استعمال کرے تو یہ سیاسی شرک ہے۔

(ii) مذہبی شرک یہ ہے کہ چند بڑے ہوشیار اور چالاک لوگ مذہبی پیشوا بن کر انسانوں کو تصور دیتے ہیں کہ تم گناہ گار ہو' اللہ تک تمہاری دعائیں نہیں پہنچ سکتیں' لہٰذا اِس کے لیے واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت ہے۔ کہیں یہ نام نہاد پیشوا خود خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ بن جاتے ہیں اور کہیں دیوی اور دیوتاؤں کے نام پر مندر بنا کر یا اولیاء و صلحاء کے نام پر مقبرے اور درگاہیں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ اُن کے نام پر جو نذرانے آئیں' نذریں اور نیازیں چڑھائی جائیں اِن سے اپنی خواہشاتِ نفس پوری کر سکیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہمیں خوش کرو گے تو یہ دیوی دیوتا تم سے راضی ہو جائیں گے اور یہ بزرگ تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اِس طرح تمہاری مرادیں پوری ہوں گی اور اللہ بھی تم سے خوش ہو جائے گا۔ دوسری طرف عوام کی اکثریت اِن مذہبی پیشواؤں کے جال میں بخوشی پھنس جاتی ہے۔ وہ خود چاہتی ہے کہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو۔ وہ محض نذر و نیاز اور سالانہ عرسوں میں شریک ہو کر خود کو اولیاء اللہ کی شفاعت اور جنت کا حق دار سمجھ لیتی ہے۔

سیاسی شرک کے پیشوا بادشاہوں کے روپ میں Divine rights of kings کا تصور دے کر عوام سے خراج وصول کرتے رہے۔ دوسری طرف مذہبی شرک کے پیشوا پنڈت' پادری' پروہت' پجاری اور پیر بن کر عوام کی محنت کی کمائی سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتے رہے اور دونوں استحصالی عناصر کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا۔ بادشاہ مذہبی پیشواؤں کو His Holiness کی سند دیتے رہے اور مذہبی پیشوا بادشاہوں کو Defenders of the faith کا اعزاز دیتے رہے۔

اسلام سیاسی شرک کے ردّ کے لیے حاکم صرف اللہ کو قرار دیتا ہے' انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر صرف اور صرف اللہ کی غلامی کے رنگ میں رنگ دیتا ہے اور بادشاہت کے بجائے خلافت کا تصور دیتا ہے۔ اسلام نے مذہبی شرک کے سدباب کے لیے توحید کا ایسا تصور دیا کہ خالق و مخلوق میں حائل تمام واسطوں اور وسیلوں کی نفی کر دی۔ بقول اقبال: ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب بھی کوئی دعا کرنے والا اللہ سے مانگتا ہے تو اللہ نہ صرف اُس کی پکار کو سنتا ہے بلکہ اس کا جواب دیتا ہے۔

اب جن لوگوں کے مفادات پر اسلام کی انقلابی دعوت کی ضرب پڑتی ہے' اُن کے لیے اِس دعوت کا پھیلنا ناگوار ہوتا ہے۔ اِسی لیے فرمایا: ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ ''بھاری ہے (اے نبیﷺ) مشرکین پر وہ (دین کا غلبہ) جس کی طرف آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں''۔ یہ صورتِ حال جیسی دورِ نبویﷺ میں تھی ویسی ہی ہر دور میں بھی درپیش ہو گی اور اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کو اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا ہوگا۔

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳﴾

''اللہ چن کر کھینچ لے گا اپنی جانب اُسے جسے وہ چاہے گا اور ہدایت دے گا اپنی طرف اُسے جو اُس کی طرف رجوع کرے گا''۔

◆ آیت کے اس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین تو مخالفت کریں گے لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں' اللہ آپ ﷺ کی مدد فرمائے گا اور دو طریقوں سے اپنے بندوں کو حق کی طرف لے آئے گا۔ ایک طریقہ یہ کہ اللہ چن کر کھینچ لے گا اپنی جانب جسے چاہے گا۔ دوسرا طریقہ یہ کہ جس کسی کے دل میں بھی حق کو جاننے کی کوئی تڑپ ہوگی اور وہ اس کے لیے جستجو کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے اپنی جانب رہنمائی عطا فرما دے گا۔

◆ پہلے طریقہ کے اعتبار سے حق کی طرف آنے کی ایک مثال حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا قبولِ اسلام ہے۔ آپؓ توحید اور شرک کی کشمکش سے بے نیاز روز و شب اپنے مشاغل میں مصروف رہتے تھے' جن میں سب سے زیادہ نمایاں شوق تیراندازی اور شکار کا تھا۔ ایک روز ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ سے زیادتی کی۔ شام کو شکار سے واپس لوٹے تو اُن کی کنیز نے اُنہیں اس زیادتی کا ماجرا سنایا۔ قرابت داری کے جذبہ نے جوش دکھایا۔ اُسی وقت جا کر اپنی کمان ابوجہل کے سر پر دے ماری اور اعلان کر دیا کہ میں بھی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاتا ہوں۔ اب آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کے جاں نثاروں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوگیا۔ بارگاہِ نبوی ﷺ سے آپؓ ''اَسَدُ اللّٰہِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِہٖ'' (اللہ کے شیر اور اُس کے رسولؐ کے شیر) اور ''سَیِّدُ الشُّھَدَاء'' کے القابات سے سرفراز ہوئے۔ اسی کی دوسری مثال حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ حق دیتے ہوئے چھ برس گزر چکے تھے مگر اُن پر کوئی اثر نہ تھا' بلکہ اس کے برعکس اُن کو غصہ تھا کہ اسلام کی دعوت نے قریش کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اسلام کی دعوت سے بیزاری اس قدر بڑھی کہ ایک روز تلوار لے کر آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن اللہ نے ایسی شکل پیدا فرما دی کہ کھینچ کر حلقہ بگوشِ اسلام کر دیا۔ اب اُن کی یہ شان قرار پائی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ)) ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو وہ عمر بن خطاب ہوتے!'' (ترمذی)

دوسرے طریقہ کی مثال ہیں حضرت سلمان فارسیؓ۔ وہ جس گھر میں پیدا ہوئے وہ آتش پرستی کا مرکز تھا اور اُن کے والد بڑے پجاری تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت اُن کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے۔ مذہبی پیشوا کی گدی اُن کے لیے تیار تھی جس پر بیٹھ کر وہ عیش کر سکتے تھے۔ وہی نذر و نیاز اور چڑھاوے جن سے اُن کا خاندان مالا مال ہو رہا تھا' اُن کے لیے بھی حاضر تھے۔ لوگ اُن کے سامنے بھی ہاتھ جوڑنے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لیے موجود تھے۔ دیوتاؤں سے رشتہ ملا کر غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ ادنیٰ کسان سے لے کر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی مریدی کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اس اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا' نہ تو اُن کو حق کی روشنی کہیں سے مل سکتی تھی اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زر پرست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا۔ لیکن اُن کے اندر حق تک پہنچنے کے لیے طلبِ صادق موجود تھی۔ وہ در در کی ٹھوکریں کھاتے اور شہر شہر کی خاک چھانتے بالآخر مدینہ منورہ پہنچے اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت سے فیض یاب ہوئے۔

یہ ہے اللہ کی طرف سے اطمینان دلانا اپنے نبی ﷺ کو کہ باوجود مخالفین کی طرف سے سخت رکاوٹوں کے' اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ساتھی اور مددگار فراہم کرتا رہے گا۔ از خود چن کر بھی آپ کی جھولی میں ڈالے گا اور وہ لوگ کہ جو مخلص ہیں' صحیح راستے پر چلنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے کوشش کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ اُنہیں بھی راہ یاب فرما دے گا۔

### ☆ آیت ۱۴:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا﴾ ''اور اُنہوں نے تفرقہ پیدا نہیں کیا'' ...... ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ﴾ ''مگر اس کے بعد کہ اُن کے پاس اصل علم آ چکا تھا'' ...... ﴿بَغْیًاۢ بَیْنَھُمْ ط﴾ ''آپس کی ضد کی وجہ سے'' ...... ﴿وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ''اور (اے نبیؐ!) اگر ایک بات آپؐ کے ربّ کی طرف سے طے نہ ہو چکی ہوتی ایک مقرر وقت کے لیے'' ...... ﴿لَّقُضِیَ بَیْنَھُمْ ط﴾ ''تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا'' ...... ﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ﴾ ''اور بے شک جو لوگ اُن کے بعد وارث بنے ہیں کتاب کے'' ...... ﴿لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ﴾ ''کتاب کے بارے میں ایک ایسے شک میں ہیں کہ جس نے اُن کے دلوں میں شبہ ڈال دیا ہے''۔

◆ اس آیت میں اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت اور قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے حوالے سے اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے طرزِ عمل کا ذکر ہے۔ نزولِ قرآن کے ابتدائی چند سال تک تو نبی اکرم ﷺ کے مخاطب صرف مکہ کے لوگ یا مشرکینِ عرب ہی رہے۔ لیکن

سن ۵ یا ۶ نبوی کے قریب آپ ﷺ کی دعوت خاصی پھیل چکی تھی اور مدینہ میں آباد یہودی قبائل اور مختلف علاقوں میں آباد عیسائیوں تک پہنچ چکی تھی۔

◆ یہود کا معاملہ یہ تھا کہ وہ منتظر بیٹھے تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہود کے تین قبیلے تورات کی اِن خوشخبریوں کی بنیاد پر مدینہ منورہ منتقل ہوئے تھے کہ کھجوروں کی سرزمین میں آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہود اُن کا استقبال کرنے اور اُن کے اوّلین ساتھی بننے کے لیے مدینہ آئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو آخری نبی کے اوّلین ساتھی ہوں گے' اُن کے لیے اللہ کے ہاں کیسے کیسے انعام و اکرام ہیں۔ وہ اوس اور خزرج کے قبیلوں کو دھمکایا کرتے تھے کہ آخری نبی ﷺ ظاہر ہونے والے ہیں اور ہم جب اُن کے ساتھ مل کر تم سے لڑیں گے تو تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو وہ اچھی طرح پہچان گئے کہ یہ وہی آخری نبی ہیں جن کی بشارتیں اور پیشین گوئیاں وہ سنتے چلے آرہے تھے۔ قرآنِ مجید کی شہادت یہ ہے کہ ﴿الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (البقرۃ:۱۴۶' الانعام:۲۰) ''جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی' وہ اِن (نبی ﷺ) کو اِس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہوں''۔ البتہ اُن کا خیال تھا کہ آخری نبی کا ظہور بنی اسرائیل ہی میں سے ہوگا۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ اللہ نے آخری نبی بنی اسمٰعیل میں سے بھیج دیے ہیں تو اُن کی عزتِ نفس پر چوٹ پڑی کہ نعمت نبوت بنی اسرائیل سے کیوں چھن گئی۔ وہ نسلی تعصب کی وجہ سے ضد اور حسد کا شکار ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ اور قرآن کے خلاف سازشوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ مشرکینِ مکہ کے ذریعہ مختلف سوالات پوچھ کر آپ ﷺ کی صداقت کا امتحان لیتے رہے اور کبھی کہتے: ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام:۹۱) ''اللہ نے آج تک کسی انسان پر کوئی وحی نازل ہی نہیں کی''۔

◆ اہلِ کتاب میں سے دوسرا گروہ عیسائیوں کا تھا۔ عیسائی انجیل کے ساتھ ساتھ تورات پر بھی ایمان رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ تک آنے والے تمام انبیاءؑ کو مانتے تھے۔ وہ بھی آپ ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ ایک عیسائی راہب نے حضرت سلمان فارسیؓ کو یہ اطلاع دی تھی کہ جنوب میں کھجوروں کے جھنڈ میں آخری نبی کا ظہور ہوگا۔ اگر حقیقی ہدایت اور حق کی طلب ہے تو وہاں پہنچو اور اُن کی آمد کا انتظار کرو۔ جب اِن عیسائیوں تک اللہ کے نبی کی دعوت پہنچی تو اُن میں سے چند ایمان لے آئے لیکن اکثریت نے شریعت کی پابندیوں کے مقابلہ میں خواہشاتِ نفس کی پیروی کو ترجیح دی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کے رفعِ آسمانی کے کچھ ہی عرصہ بعد سینٹ پال نے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا۔ اُس نے شریعت کو ایک مصیبت قرار دے کر ساقط کر دیا تھا اور عیسائیوں کے لیے شریعت سے آزاد من چاہی زندگی کی ہر عیاشی کو جائز قرار دے دیا تھا۔

◆ نبی اکرم ﷺ کا حسنِ ظن تھا کہ مشرکینِ مکہ نے میری بات اس لیے نہیں مانی کہ اُن کے پاس حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد دو ہزار برس تک کوئی نبی آیا ہی نہیں' وہ تو کتاب اور نبوت دونوں سے نا آشنا ہیں' البتہ اہلِ کتاب کو تو فوراً لپک کر میری تصدیق کرنی چاہیے۔ یہ تو انبیاء کے نام لیوا ہیں' آخرت کے ماننے والے ہیں اور شرک کرنے کے باوجود توحید کے دعوے دار ہیں۔ شریعت کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اُنہیں معلوم ہے کہ شریعت تقاضا کرتی ہے کہ اُس کا نفاذ ہو اور اُس کے مطابق فیصلے ہوں۔ اُن کے لیے تو آسمانی ہدایت کوئی انوکھی اور نئی بات نہیں' اُن کے پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں۔ ویسی ہی ایک کتاب اب اللہ کے آخری نبی ﷺ پر نازل ہو رہی ہے جو اُن کی کتابوں کی نفی نہیں بلکہ بار بار تصدیق کر رہی ہے۔ لہٰذا اہلِ کتاب کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ بڑے پر امید تھے کہ یہ ہے وہ کھڑکی جس سے مجھے ٹھنڈی ہوا آئے گی۔ لیکن وہ کھڑکی جب کھلی تو ٹھنڈی ہوا کے بجائے وہاں سے سخت گرم لو کے تھپیڑے آنے شروع ہو گئے۔ آپ ﷺ کو بڑی حیرت تھی کہ سب کچھ جاننے کے باوجود اہلِ کتاب میری رسالت پر ایمان کیوں نہیں لا رہے؟

◆ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اہلِ کتاب کے نہ ماننے کے سبب سے آگاہ فرما دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اہلِ کتاب نے تفرقہ پیدا کیا علم رکھنے کے باوجود' یعنی جان بوجھ کر۔ مشرکین کے پاس تو علم ہے ہی نہیں لیکن اہلِ کتاب تو علم کے ٹھیکے دار ہیں۔ تفرقہ کا سبب لاعلمی نہیں بلکہ بَغْيًا بَيْنَهُمْ یعنی آپس کی ضدم ضدا ہے' اِس پر جلن کہ کوئی دوسرا کیوں آگے بڑھ گیا؟ اگر لوگوں نے اُسے بڑا مان لیا تو ہماری سیادت و قیادت اور گدی خطرہ میں آجائے گی۔ ہمارے ہاتھ کون چومے گا؟ ہماری جوتیاں کون سیدھی کرے گا؟ ہمیں نذرانے کون پیش کرے گا؟ اِس سے پہلے کہ ہمارے مفادات کو نقصان پہنچے' آگے بڑھنے والے کے راستہ میں ہر طرح سے رکاوٹیں کھڑی کرو۔

◆ صورتِ حال آج بھی یہی ہے۔ ہمیں ہر دَور میں وہ سب کردار نظر آجائیں گے جو

کردار دورِ نبوی ﷺ میں نزولِ قرآن کے وقت تھے۔ منافق بھی ہوں گے اور مؤمنِ صادق بھی۔ ہر چہ بادا باد والے بھی ہوں گے اور وہ بھی رہیں گے کہ جن کی گاڑی قدم قدم پر knocking کرتی ہے، جو گومگو میں رہتے ہیں کہ چلیں کہ نہ چلیں؟ روشنی ہوئی تو کچھ چل لیے تاریکی ہوگئی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ الفاظِ قرآنی کو ہر دور کے انسانوں پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ جہاں آج کے دور میں شرک میں مبتلا لوگوں پر دین کی تعلیمات کا نفاذ بھاری ہے وہیں ایسے دنیادار علماء اور پیر بھی ہیں جو اقامتِ دین کا مقصد لے کر اٹھنے والی تحریک کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ علمائے حق اور خوفِ خدا رکھنے والے صوفیاء بھی ہر دور میں حق کی نصرت کے لیے موجود ہوتے ہیں لیکن اکثریت کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ :

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (التوبۃ:٣٤)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک علماء اور صوفیاء میں سے اکثر ایسے ہیں جو لوگوں کے مال کھاتے ہیں ناحق اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے''۔

آج نام نہاد علماء کے تفرقہ کی ایک نہیں کئی بنیادیں ہیں۔ دین کے کسی بھی داعی کے ساتھ سب کا مشترک تفرقہ یہ ہے کہ آپ کسی دارالعلوم کے سند یافتہ نہیں ہیں، آپ ہم میں سے نہیں ہیں۔ تقلیدِ جامد کی نفی کرنے اور قرآن وسنت کی پیروی کرنے پر زور دیا جائے تو غیر مقلد ہونے کا فتویٰ لگتا ہے اور اسلاف سے مضبوطی کے ساتھ جڑے رہنے کی تلقین پر شخصیت پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے، بقولِ اقبال : ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾

''اور (اے نبیؐ!) اگر ایک بات آپؐ کے ربّ کی طرف سے طے نہ ہو چکی ہوتی ایک مقرر وقت کے لیے تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں ذہن میں پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اہلِ کتاب جان بوجھ کر حق سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور تفرقہ پیدا کر رہے ہیں تو اِن پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ اِس سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ ہر انسان اور ہر گروہ کو اصلاحِ احوال کے لیے ایک مہلت دیتا ہے۔ اِس مہلت کے دوران یا تو اصلاح کر لی جاتی ہے اور یا نافرمانی کے حوالے سے اپنی حسرتیں پوری کر لی جاتی ہیں۔ گویا آیت کے اس حصہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ وہ اہلِ کتاب کے طرزِ عمل سے غمگین نہ ہوں۔ اللہ مخالفین پر حجت پوری کرنے کے لیے اُنہیں مہلت دے رہا ہے تاکہ توبہ کر لیں یا اپنی حسرتیں پوری کر لیں۔ ہر کام کے انجام کے لیے اللہ کی مقرر کردہ ایک مدت ہوتی ہے۔ پھر اللہ کا فیصلہ آ کر رہتا ہے اور حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

◆ اہلِ کتاب کے لیے مہلت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں قربِ قیامت تک کے لیے ہے۔ قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے تو اہلِ کتاب میں سے باسعادت لوگ حق پر ایمان لے آئیں گے۔ اِس کے برعکس بدنصیب گروہ ایمان نہیں لائے گا اور اُن پر عذابِ استیصال آئے گا، یعنی اُن کا بالکل ہی صفایا کر دیا جائے گا۔

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴾

''اور جو لوگ اُن کے بعد کتاب کے وارث بنیں ہیں، کتاب کے بارے میں ایک ایسے شک میں ہیں کہ جس نے اُن کے دلوں میں شبہ ڈال دیا ہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی کتابوں کے حامل جب دین کی دعوت کے حوالہ سے ضد اور ہٹ دھرمی کی روش پر اتر آئیں تو بعد میں آنے والے شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور اُن کا کتاب کی تعلیمات پر سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ کیا کتاب کی تعلیمات اپنے ماننے والوں پر یہ اثر ڈالتی ہیں کہ وہ آپس کی ضد میں پڑ کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں؟

◆ یہ بات آج کے حالات میں بآسانی سمجھی جا سکتی ہے۔ آج جب مختلف مسالک کے علماء کے درمیان اختلافات محاذ آرائی کی صورت اختیار کرتے ہیں تو عام مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد دین ہی سے برگشتہ ہو جاتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اِن تمام مولوی صاحبان کا قرآن بھی ایک ہے اور رسول بھی ایک، لیکن اس کے باوجود یہ ایک دوسرے کے خلاف گمراہی اور کفر کے فتوے لگا رہے ہیں۔ اِس طرزِ عمل کا نتیجہ عام لوگوں میں دین ہی سے بے اعتباری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ قرآن تو کہتا ہے کہ یہ جمع کرنے والی کتاب ہے، مگر

ہمارے دینی رہنما قرآن پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے دور سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

◆ قرآنِ حکیم کے حوالے سے آج ہماری اکثریت شکوک وشبہات کا شکار ہے۔ اِس بات پر ہمارا حقیقی یقین نہیں کہ قرآن واقعی اللہ کی کتاب ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک طرف ہمارا یہ یقین ہو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور دوسری طرف ہم اِس کے پڑھنے‘ سمجھنے اور اِس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے اعراض کریں۔ ہم باقی سب کچھ پڑھیں‘ انگریزی ادب میں اسکالر ہو جائیں‘ دنیا بھر کے علوم وفنون حاصل کرلیں‘ ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی ڈگریاں حاصل کرنے میں زندگی کے کئی قیمتی سال لگا دیں‘ لیکن عربی پڑھنے اور قرآنِ حکیم کو سمجھنے کے لیے وقت فارغ کرنے کو تیار نہ ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمیں یہ یقین ہو کہ یہ کتاب ہماری زندگی کے ایک ایک گوشہ کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے‘ لیکن پھر بھی نہ انفرادی زندگی میں اس کی تعلیمات پر عمل ہو اور نہ اجتماعی زندگی میں اِن تعلیمات کے نفاذ کے لیے کوئی جدوجہد؟

## ☆ آیت ۱۵:

﴿فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ج﴾ ’’پس (اے نبیؐ!) آپؐ اسی کی دعوت دیجیے‘‘ ...... ﴿وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ج﴾ ...... ’’اور ڈٹے رہیں جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے‘‘ ......﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ ج﴾ ’’اور اُن کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے‘‘ ...... ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ج﴾ ’’اور اُن سے کہہ دیجیے کہ میں تو ایمان لایا ہوں اُس پر جو کچھ کہ اللہ نے کتاب میں سے نازل فرمایا ہے‘‘ ...... ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ط﴾ ’’اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں‘‘ ...... ﴿اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ط﴾ ’’اللہ ہمارا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے‘‘ ...... ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ط﴾ ’’ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں‘‘ ...... ﴿لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ط﴾ ’’ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے‘‘ ......﴿اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ج﴾ ’’اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان معاملات کو اکٹھا کرے گا‘‘ ...... ﴿وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ﴾ ’’اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے‘‘۔

﴿فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ ج﴾

’’پس (اے نبیؐ!) آپؐ اسی کی دعوت دیجیے اور ڈٹے رہیں جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اور اُن کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے‘‘۔

◆ اِس آیت میں براہِ راست خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن اِس کا رُخ آپ ﷺ کے توسط سے ہر اُس داعی کی طرف ہے جو اقامتِ دین کی جدوجہد کا بیڑا اٹھائے گا۔ یہاں رہنمائی دی جارہی ہے کہ مخالفانہ ماحول میں کرنا کیا ہے۔ اقامتِ دین کے مشن کی مخالفت مشرکین کی طرف سے بھی ہوگی‘ مذہب کے نام نہاد علمبردار بھی رکاوٹیں کھڑی کریں گے اور عوام الناس بھی شکوک وشبہات کا اظہار کرکے حوصلہ شکنی کا باعث ہوں گے۔ ایسے میں ہمت نہیں ہارنی اور اپنی جدوجہد کو نہ صرف جاری رکھنا ہے بلکہ تیز سے تیز تر کرنا ہے۔ بقول اقبال: ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الاّ اللہ!

◆ یہاں انتہائی زور دار اسلوب میں حکم دیا گیا کہ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ’’پس (اے نبی ﷺ!) آپ اِسی کی دعوت دیتے رہیں‘‘۔ ’’ذٰلِکَ‘‘ (اِسی) سے مراد ہے اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ یعنی دین کو قائم کرنے کی دعوت۔ مخالفین کی سازشوں‘ ظلم وستم اور دباؤ کی وجہ سے اقامتِ دین سے کم تر کسی مقصد کو اپنی منزل نہ بنا لیجیے۔ سورۃ القلم میں ارشاد ہوا: ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ ۝۹﴾ ’’پس (اے نبی ﷺ!) آپ اِن جھٹلانے والوں کی باتوں میں نہ آئیے! یہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذرا لچک دکھائیں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں گے‘‘۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ دباؤ سے متاثر ہوکر کسی جزوی اصلاحی کام تک خود کو محدود کرلیں جس سے معاشرے میں ظلم وستم کرنے والوں کے مفادات کو خطرہ نہ ہو اور پھر وہ بھی آپ ﷺ کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں۔

◆ اِس آیت میں مزید فرمایا: ﴿وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ ج﴾ ’’اور آپ مضبوطی سے ڈٹے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے‘‘۔ یعنی اے نبی ﷺ! آپ اقامتِ دین کے عظیم مشن کو جاری رکھیں خواہ مشرکین وکفار اِسے برداشت کریں یا نہ کریں۔ چاہے وہ گستاخیاں کریں‘ پتھر ماریں‘ ایذائیں پہنچائیں اور آپؐ کی جان کے دشمن بن جائیں‘ لیکن اِس مشن سے آپؐ ایک انچ بھی نہ ہٹیں۔ کوئی دھمکی‘ تشدد‘ مصلحت‘ لالچ اور سودے بازی کی پیشکش آپؐ کو متاثر نہ کرنے پائے۔ آپؐ کی کیفیت یہ ہونی چاہیے جو قرآنِ حکیم میں ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ﴾ اور ﴿اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ﴾ کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ ایک چٹان ہے جس کو ہلایا نہیں جاسکتا اور اِس کو کبھی بھی جھکنے پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں مزید فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ هُمۡ ۚ﴾ ''اور آپ (ﷺ) اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے''۔ سردارانِ قریش نے محسوس کرلیا تھا کہ ہم نے ظلم وتشدد کے ذریعہ سے اسلام کی دعوت کو دبانے کی کوشش کی لیکن ہم ناکام ہوگئے۔ تشدد سے تو بات نہیں بنی، ممکن ہے کہ لالچ سے بات بن جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ کو مال ودولت کے ڈھیر دینے' مکہ کی خوبصورت ترین خاتون سے شادی کرادینے اور مکہ کا بادشاہ تسلیم کرنے کی پیشکش کی گئی۔ یعنی اُس شہرِ مکہ کا بادشاہ جو مشرکانہ نظام کا مرکز بنا دیا گیا تھا۔ مشرکانہ نظام کے سربراہ اور نگران کی حیثیت سے تو آپ ﷺ مشرکین کو قبول تھے لیکن جو نظام آپ ﷺ لانا چاہتے تھے وہ اُنہیں قبول نہیں تھا۔ اُنہوں نے مزید پیش کش کی آپ جس طرح بھی نماز پڑھنا چاہیں اور اپنے معبود کی عبادت کرنا چاہیں' ہم رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ اِن تمام پیشکشوں کے عوض ہم بس اتنا چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے آبائی دین' ہمارے بتوں اور مشرکانہ نظام کی نفی کرنا ترک کردیں۔ اِن تمام پیشکشوں کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کو ہدایت دی گئی: ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَاءَ هُمۡ ۚ﴾ (اور اِن کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے)۔ لہٰذا آپ ﷺ نے سردارانِ قریش کو جواب دیا کہ ''اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو' تب بھی میں اِس دعوت سے باز نہیں آسکتا۔ میں اِس دعوت کی تبلیغ میں اپنی جان دے دوں گا یا اللہ اِس دعوت کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا!''

◆ اِس کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ نبی اکرم ﷺ مشرکین کی خواہشات کی پیروی کرتے۔ یہ ہدایت آپ ﷺ کے ذریعہ قیامت تک اُن امتیوں کے لیے ہے جو دین کے غلبہ کے مشن کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ دین کا راستہ روکنے والوں کی خواہشات یہ ہیں کہ بس درس دیتے رہو' تقاریر کرتے رہو' ذکر کی محفلیں لگاتے رہو' ایمان کی دعوت دیتے رہو' قرآن پڑھنے اور پڑھانے کی ترغیب دیتے رہو' قرآن اکیڈمی تو کیا قرآن یونیورسٹی بنالو۔ اِن مقاصد کے لیے ہر طرح کا مالی تعاون بھی پیش کردیا جائے گا لیکن اِس شرط پر کہ اقامتِ دین کی بات مت کرو۔ نظام کو نہ چھیڑو۔ نظام جوں کا توں رہے۔ نظام کے ساتھ وابستہ مفادات پر کوئی آنچ نہیں آنی چاہیے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ تا قیامِ قیامت' اللہ کی ہدایت ہمارے لیے بھی یہی ہے کہ حق کی راہ پر ڈٹے رہو اور اُن کی خواہشات کی پیروی مت کرو۔

﴿وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ ۚ﴾

''اور (اُن سے) کہہ دیجئے کہ میں تو ایمان لایا ہوں اُس پر جو کچھ کہ اللہ نے کتاب میں سے نازل فرمایا ہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کردیجئے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اُس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی ہے۔ کتاب پر ایمان کا تقاضا ہے کہ میں اِس کی تعلیمات کو نافذ کروں اور اُن کے مطابق فیصلہ کروں۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اِنَّـآ اَنۡزَلۡنَـآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ ؕ﴾

''بے شک (اے نبیؐ!) ہم نے آپؐ پر نازل کی ہے کتاب حق کے ساتھ تاکہ آپؐ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اُس بصیرت کی بنیاد پر جو اللہ نے آپؐ کو عطا کی ہے''۔

کتاب کی تعلیمات کو نافذ نہ کرنا ایمان کے منافی ہی نہیں بلکہ کفر' شرک اور اللہ کے احکامات کے حوالے سے بغاوت ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝٤٤﴾ (المائدة)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝٤٥﴾ (المائدة)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ ظالم (یعنی مشرک) ہیں''۔

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝٤٧﴾ (المائدة)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ فاسق (یعنی باغی) ہیں''۔

﴿وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ﴾

''اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا ہدف بیان کیا جا رہا ہے۔ وہ ہدف ہے قیامِ عدل۔ آپ ﷺ کا مشن صرف وعظ ونصیحت نہیں بلکہ معاشرے میں جاری ظلم کے خلاف آواز اُٹھانا' ایک تحریک برپا کرنا اور پھر ظلم کو مٹا کر ایک عادلانہ نظام قائم کرنا تھا۔

ایسا نظام جس میں مرد اور عورت، جماعت اور فرد، اجتماعیت اور انفرادیت، سرمائے اور محنت، حکومت اور شہریوں کے درمیان حقوق و فرائض کا عادلانہ تعین ہو۔ کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقہ پر زیادتی نہ کرے۔

◆ ایک واعظ کی دعوت اور رسول کی دعوت میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ وعظ کہنے والا وعظ کہتا ہے اور پھر اپنا راستہ لیتا ہے۔ رسول صرف وعظ نہیں کہتا بلکہ انفرادی زندگی میں اپنی پیش کردہ تعلیمات پر عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور اجتماعی زندگی میں اُن کے نفاذ کے لیے بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ محض واعظ اور مبلغ بن کر نہیں آئے تھے بلکہ اُن کا مشن تھا کہ اللہ کا عطا کردہ نظامِ عدل قائم فرمائیں۔ یہ حقیقت قرآنِ حکیم میں تین بار یعنی سورۃ التوبۃ آیت ۳۳، سورۃ الفتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف آیت ۹ میں اِس طرح واضح کی گئی کہ :

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ وہ اس کو غالب کر دے کل نظامِ زندگی پر۔''

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مشن محض وعظ و نصیحت اور درس و تدریس نہ تھا۔ آپ ﷺ کا مشن انقلابی تھا، جس کا مقصد نظامِ باطل کو جڑ سے اکھاڑنا اور اِس کی جگہ نظامِ عدل کو قائم فرمانا تھا۔ آپ ﷺ نے محض تبلیغ اور تزکیہ و تربیت کا عمل ہی نہیں کیا بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کو میدان میں لا کر انہیں باطل سے بھی ٹکرایا اور جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ایک مثالی نظامِ عدل قائم فرمادیا۔ اِس کے بعد آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری اُمت کے سپرد فرمادی۔ آج ہم نے کتاب اللہ سے رہنمائی اور ہدایت لینا چھوڑ دی۔ اِسے صرف حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کا ذریعہ بنالیا اور اِسے ریشمی جزدانوں میں لپیٹ کر احتراماً طاقوں کی زینت بنادیا۔ لہٰذا ہماری اکثریت اُس اعلیٰ مقصد ہی کو فراموش کر بیٹھی جو نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا مقصد تھا اور اب وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اِن شاء اللہ اِس حوالے سے مزید تفصیلات اگلے درس میں سامنے آئیں گی جس کا موضوع ہے ''اقامتِ دین کا حاصل —— قیامِ عدل''۔

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾

''اللہ ہمارا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان معاملات کو اکٹھا کرے گا، اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

◆ آیت کے اِس آخری حصہ میں مخالفین کو مخالفت ترک کرنے کے لیے بڑے دلنشین اسلوب میں دعوت دی گئی ہے۔ خطاب کے اِس انداز میں اُن لوگوں کے لیے جو دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، ایک بہت بڑا سبق ہے۔ مخالفین کے سامنے سب سے پہلے ایک ایسی حقیت رکھی گئی ہے جو باہم قدرِ مشترک ہے، یعنی ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ ''اللہ ہمارا ربّ ہے اور تمہارا ربّ بھی!'' اُس ربّ کی خوشنودی کے لیے ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور تم بھی عمل کر رہے ہو۔ ہمارے عمل کا بدلہ ہمیں ملے گا اور تمہارے عمل کا بدلہ تم پاؤ گے۔ ہمیں باہم جھگڑا، دلیل بازی اور بحث و تکرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاشوں کو کسی کارِ خیر کے لیے مختلف اعتبارات سے مفید بنانے کے لیے جمع کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہمیں دنیا میں باہم ملا دے، ورنہ آخرت میں تو ہمیں جمع ہونا ہی ہے، کیونکہ سب کو لوٹ کر اُسی اللہ کی طرف جانا ہے۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے قائم ہونے والی جماعت کے لیے یہ ہدایت ہے کہ دیگر ہم عصر دینی جماعتوں یا شخصیات کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ مذکورہ بالا طرزِ عمل سے دوسروں کی کاوشوں کا اعتراف ہوتا ہے اور باہم ضد کی کیفیت ختم ہوتی ہے۔ ﴿اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا﴾ ''اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان معاملات کو اکٹھا کرے گا'' کے الفاظ میں اِس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ اگر تم بھی دین کا کام کر رہے ہو اور ہم بھی کر رہے ہیں تو خواہ علیحدہ علیحدہ اور اپنے اپنے طور پر کریں، ہم سب کا کام اسلام ہی کے حق میں جمع ہو رہا ہے۔ پھر اگر مطلوب و مقصود اللہ کی قربت کا حصول ہے تو جتنا جتنا اللہ یعنی مرکزِ اطاعت و محبت کے قریب ہوں گے، اتنا باہم بھی قریب ہوتے جائیں گے۔ اگر ہم یہاں نہ بھی جمع ہوئے تو قیامت کے میدان میں تو جمع ہوں گے ہی! کیا ضروری ہے کہ سارے معاملات یہیں چکا دیے جائیں؟ وہاں تمام فیصلے حق کے ساتھ کر دیے جائیں گے۔

## ☆ آیت ۴۷ :

﴿اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ﴾ ''اپنے ربّ کی پکار پر لبیک کہو'' ...... ﴿مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ﴾ ''اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے کہ جسے پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیرا نہ جا سکے گا'' ...... ﴿مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ﴾ ''اُس روز تمہارے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی'' ...... ﴿وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ﴾ ''اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا ہوگا''۔

﴿اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ﴾

''لبیک کہو اپنے ربّ کی پکار پر''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کی پُرزور دعوت دی گئی ہے۔ اِس پوری سورۃ میں جمع کے اسلوب میں صرف ایک ہی حکم اِس سے قبل آیا اور وہ ربّ کی پکار ہے' یعنی ﴿اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ﴾ ''دین کو قائم کرو اور اِس معاملہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ''۔ اللہ پکار رہا ہے کہ آؤ اور میرے دین کے غلبہ کے لیے اپنا سب کچھ لگا دو۔ گومگو میں نہ رہو اور تاخیر نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ حق کو قبول کرنے اور اس کا ساتھ دینے کی توفیق ہی سلب کر لے۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں :

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِہٖ وَاَنَّہٗۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ (الانفال)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لبیک کہو اللہ اور اُس کے رسول کی پکار پر جب وہ تمہیں پکارے تاکہ اُس کے ذریعے سے اللہ تمہیں (پاکیزہ) زندگی دے۔ جان لو اللہ حائل ہو جایا کرتا ہے بندے اور اُس کے دل کے درمیان اور اُسی اللہ کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے''۔

﴿وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَہُمۡ وَاَبۡصَارَہُمۡ کَمَا لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٖۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّنَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ (الانعام)

''اور ہم الٹ دیں گے اُن کے دل اور اُن کی نگاہیں جیسا کہ اُنہوں نے پہلی مرتبہ نہیں مانا' اور پھر ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ اپنی سرکشی میں بہکے چلے جاتے ہیں''۔

﴿مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ﴾

''اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے کہ جسے پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیرا نہ جا سکے گا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں فرمایا ربّ کی پکار پر لبیک کہنے کے حوالے سے تاخیر نہ کرو' ایسا نہ ہو کہ اچانک تم پر تمہاری موت کا دن آ جائے اور اُس دن کو پھر پھیرا نہ جا سکے۔ یہ دن لازماً آ کر رہے گا اور اُسے ٹالا بھی نہ جا سکے گا۔ غفلت کا شکار انسان اُس روز اللہ سے فریاد کرے گا کہ :

﴿رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾

(المنفقون)

''اے میرے ربّ! تو نے مجھے کیوں نہیں مہلت دی ایک قریبی مدت تک کے لیے کہ میں صدقہ کرتا اور میں ہو جاتا نیکوں کاروں میں سے؟ اور اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو مہلت نہیں دیتا جب کہ اُس کا وقت آ جاتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے''۔

﴿رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ؕ اِنَّہَا کَلِمَۃٌ ہُوَ قَآئِلُہَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ (المؤمنون)

''اے میرے ربّ! مجھے لوٹا دے تاکہ میں اچھا عمل کروں اُس میں جو کچھ کہ میں چھوڑ کر مر رہا ہوں۔ ہرگز نہیں' یہ ایک بات ہے جو کہ وہ اِس سے پہلے بھی کہا کرتا تھا اور اِس کے بعد اُن کے پیچھے ہے برزخ اُس دن تک کے لیے کہ جس روز وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے''۔

﴿مَالَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّمَالَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾﴾

''اُس روز تمہارے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا ہوگا۔''

◆ آیت کے اِس حصہ میں لرزا دینے والا مضمون ہے۔ اگر غفلت کے دوران ہی انسان کی موت آ گئی تو اب اُس کے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ ہی کوئی ایسا حمایتی جو اُس کے گناہوں کا انکار کر دے یا اُس کا دفاع کر سکے۔ ''ملجا'' کہتے ہیں اُس پناہ گاہ کو جہاں آدمی جا کر کسی کی پناہ لے لیتا ہے۔ بچے کو اگر ماں مار رہی ہو تو بچہ بھاگتا نہیں ہے' بلکہ ماں ہی سے لپٹتا ہے۔ ماں اگرچہ مار رہی ہے' لیکن وہ جائے کہاں! کس کی پناہ پکڑے؟ انسان کے لیے حقیقی پناہ

صرف اللہ ہی کے در پر ہے۔ بخاری و مسلم میں نبی اکرم ﷺ کی تلقین کردہ ایک ایمان افروز دعا کے الفاظ ہیں: ((لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ ......)) ''اے اللہ! تجھ سے بچنے اور بھاگ کر جانے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں مگر صرف تیری ہی طرف......''۔ یعنی صرف تیرے ہی دامنِ عفو کے اندر آ کر پناہ مل سکتی ہے!

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں!

◆ بلاشبہ جب موت کا فرشتہ آ جائے گا تو اُس روز اللہ کی پکڑ سے بچنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹھکانہ تو آج بھی کوئی نہیں ہے، لیکن آج کچھ سراب نظر آ رہے ہیں جو ہم نے اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں۔ کچھ شفاعتِ باطلہ کے تصورات ہیں یا کچھ اور اللہ کی رحمت یا خاندانی تقدس کے خود ساختہ تصورات کو اپنے ذہنوں کے اندر پناہ گاہیں بنایا ہوا ہے۔ روزِ قیامت جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی تو اِن تصورات کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ اِس دنیا میں بھی پیشیاں ہوتی ہیں۔ اِن سے بچنے کے بیسیوں طریقے ہمیں آتے ہیں۔ کبھی صاف انکار کر دیا جاتا ہے کہ میں نہیں آتا۔ کبھی سمن لانے والے کو رشوت دے دی جاتی ہے اور وہ نوٹ لکھ دیتا ہے کہ سمن نہیں دیا جا سکا۔ کبھی جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کر کے پیشی سے بچا جاتا ہے۔ لیکن وہ پیشی جو آنے والی ہے اُس سے بچا نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الجمعة)

''(اے نبی ﷺ!) اِن سے کہئے کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، تم سے ملاقات کر کے رہے گی، پھر تم لوٹائے جاؤ گے اُس ہستی کی طرف جو کھلے اور چھپے کی جاننے والی ہے، وہ ہستی تمہیں جتلا دے گی جو کچھ کہ تم کرتے رہے ہو''۔

◆ دنیا میں مجرم کسی بڑے چوہدری کے گھر میں یا کسی سفارت خانہ میں یا کسی اور ملک میں بھاگ کر پناہ لے سکتا ہے، لیکن موت والے روز یہ حقیقت کھل جائے گی کہ غافل انسان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ دنیا میں کئی لوگ جھوٹی گواہیاں دے کر یا ناجائز سفارش کے ذریعہ سزا سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ کے سامنے کوئی بھی مجرم کا دفاع یا حمایت کرنے والا نہ ہوگا۔

◆ تنظیم اسلامی کے رفقاء وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ جن کے سامنے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے پکار آئی اور انہوں نے اِس پر لبیک کہہ کر تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی۔ ہم سب کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ کیا واقعی ہم نے دل سے اِس پکار پر لبیک کہا ہے! کیا واقعی ہم دل و جان سے اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں! اگر ایسا نہیں ہے تو اندیشہ ہے کہ پھر یہ خوش قسمتی ہمارے لیے بدبختی کا باعث نہ بن جائے۔ موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ ہماری خوش نصیبی اِسی صورت میں قائم رہے گی اگر ہم نے موت سے پہلے پہلے واقعتاً اِس پکار پر لبیک کہا۔ اللہ ہمیں تن، من، دھن سے اپنے دین کے غلبہ کے لیے کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

### ☆ آیت ۴۸:

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ ''پھر اگر وہ اعراض کریں''...... ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ﴾ ''تو (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو اِن پر نگران بنا کر نہیں بھیجا''...... ﴿اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ﴾ ''آپؐ کے ذمے نہیں ہے مگر صرف پہنچا دینا''...... ﴿وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ﴾ ''اور جب ہم انسان کو مزا چکھاتے ہیں اپنی رحمت سے اِس پر وہ بہت خوش ہوتا ہے''...... ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ﴾ ''اور جب اُن کو پہنچتی ہے کوئی تکلیف بسبب اُن اعمال کے جو کہ اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں''...... ﴿فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ﴾ ''تو پھر بے شک انسان ناشکرا ہو جاتا ہے''۔

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ﴾

''پھر اگر وہ اعراض کریں تو (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو اِن پر نگران بنا کر نہیں بھیجا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کے لیے دلجوئی کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر آپ ﷺ کی دعوت کے جواب میں یہ لوگ مُنہ موڑتے ہیں تو ہم نے آپ کو اِن پر نگران اور ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ اگر یہ سب کچھ سن کر ٹس سے مس نہ ہوں تو اے نبی ﷺ! آپ غمگین نہ ہوں۔ اُن کو اللہ کے ہاں اپنی جواب دہی خود کرنی ہوگی اور آپؐ کو اپنی۔ اللہ آپؐ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔ ہاں آپؐ سے صرف یہ پوچھا جائے گا کہ آپ نے اُن تک حق پہنچا دیا یا نہیں۔ آپ ﷺ نے چونکہ حق پہنچا دیا ہے تو اب آپ ﷺ بریٔ الذمہ ہیں۔ کوئی مانے گا تو اپنے لیے، نہیں مانے گا تو اپنے لیے۔ ﴿لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا

اکْتَسَبَتْ﴾ یعنی جس نے خیر کمایا تو اپنے لیے اور جس نے شر کمایا تو اپنے لیے۔

﴿اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ط﴾

''آپؐ کے ذمے تو نہیں ہے مگر صرف پہنچا دینا''۔

آیت کے اِس حصہ میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری صرف اور صرف واضح طور پر حق کو پہنچا دینا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ﴾

(الکہف:۲۹)

''اور کہہ دو کہ (لوگو!) یہ قرآن تمہارے ربّ کی طرف سے برحق ہے' تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں ہر داعی کے لیے بھی رہنمائی ہے کہ اُس کا کام صرف دعوتِ حق پہنچانا ہے منوانا نہیں۔مندرجہ بالا حقیقت پیشِ نظر نہ ہو تو بعض اوقات داعی بات کو منوانے کے لیے مکمل حق بیان نہیں کرتا یا اپنے اصولوں کو توڑ کر لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے۔

﴿وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ م بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ﴾

''اور جب ہم انسان کو مزا چکھاتے ہیں اپنی رحمت سے اِس پر وہ بہت خوش ہوتا ہے' اور جب اُن کو پہنچتی ہے کوئی تکلیف بسبب اُن اعمال کے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں' تو پھر بے شک انسان ناشکرا ہو جاتا ہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں واضح کیا گیا کہ دینی ذمہ داریوں سے انسان کے اعراض کا اصل سبب کیا ہے۔جب اللہ انسان کو اپنی رحمت اور فضل سے نوازتا ہے تو وہ اترانے لگتا ہے اور عیش میں پڑ کر اللہ' اُس کے احکامات اور آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے:

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا' وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی' جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جب اللہ انسان کو غفلت کی سزا دیتا ہے اور اُس کے گناہوں کی پاداش میں اُس پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے تو پھر وہ انتہائی ناشکرا اور مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔اُس کی کمر ہمت ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ وہ مصائب کو دینی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کا جواز بنا لیتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اِن دونوں حالتوں کو امتحان سمجھتے ہوئے شکر اور صبر کی توفیق' اپنے طرزِ عمل میں اعتدال اور توازن کی کیفیت اور ہر حال میں اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔آمین!

۞۞۞